AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قرآنیات کی تحقیقات میں مستشرقین کے منہج کی غلطی

The Methodology Drawbacks of Orientalists in the research of Quraanic Studies

Dr.Muhammad Aslam [•]
Asad Ghafoor [•]
Muhammad Naveed Khan [•]

ABSTRACT

Orientalists, particularly Goldziher and Arthur Jeffery,demonstrated keen interest in the research of Quranic sciences.In the opinion of aforementioned researchers, their research methodology on Quranic sciences was based on neutrality and objectivity. But the facts are against their claims; their arguments were based on preplanned missionary ideologies and pointed out towards the particular political objectives. These orientalists employed alleged modern and scientific but double standard and conflicting methodologies to prove Quran as an unsecure and inauthentic document. The purposeof their research methodology is creating anarchy and mental disturbance within ummah by Skepticism,so-called rationalism and choosing fabricated stories among the unreliable,irrelevant and controversial references and sources. These Orientalist deny or ignore the authentic Hadiths and narrations that were communicated through reliable sources of Quranic sciences.They also represented the myth stories as recognized fact under the veil of research. This article points out the deceptive,nonobjective,negativeand destructive research methodologies.

***Kewords**: Orientalists, Quranic sciences, methodology , inauthentic document , Skepticism, reliable sources*

مستشرقین اکثر یہ دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں کہ ان کا منہج تحقیق معروضی اور غیر جانبدارانہ ہے، مثلا مشہور جرمن مستشرق، روڈی پیرٹ(Rudi paret،1901ء-1983ء)نے لکھا ہے: **إننا فی دراستنا لا نسعی إلی نوایا جانبیة غیر صافیة بل نسعی إلی البحث عن الحقیقة الخالصة.** "ہم اپنی تحقیقات میں جانبدارانہ اور غیر معروضی اسلوب اختیار نہیں کرتے، بلکہ خالص حقیقت کی جستجو ہماری کوشش ہوتی ہے۔"[(1)]

• *Assistant professor, Department of Islamic Studies U.E.T,Lahore.Fasialabad, Campus. (aslam.siddique@uet.edu.pk)*
• *Lecturer, Department of Islamic Studies, Agriculture University .Fasialabad Campus.*
• *Phd Scholar GC University Fsd , Lecturer Kips College Jail Road Fsd.*

1- رودی بارت،الدراسات الإسلامیه و العربیة في الجامعات الألمانیة ،ترجمہ:الدکتور مصطفی ماہر(القاہرہ:1967ء)،10۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اسی طرح آرتھر جیفری(Arthur Jeffery) نے بھی 'کتاب المصاحف' کے مقدمہ میں مستشرقین پر جانبداری کے الزام کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ مستشرقین کی صدقِ نیت، انصاف پسندی اور غیر جانبداری، ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ ان کا مقصد صرف حق کی تلاش ہے۔[2]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر مستشرقین نے مخصوص اہداف کے پیش نظر، خصوصاً قرآنی تحقیقات میں انتہائی جانبداری کا ثبوت دیا ہے۔ اور ہمیشہ اپنی فکری غلاظتوں کو جمع کرکے انہیں دلائل فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ایڈورڈ سعید(Edward Said، 1935ء-203ء) نے ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے:

" تاریخ استشراق کے ہر محقق کے سامنے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ تحریکِ استشراق کے پس پردہ مخصوص دینی اہداف تھے اور مقصد یورپ میں علوم اسلامیہ کا رد کرنا تھا اور تحریکِ استشراق انیسویں صدی کے آخر تک بھی اس پس منظر سے پیچھا نہیں چھڑا سکی۔[3]

فرانسیسی مستشرق غبریل ہانوتو(Gabriel Hanotaux 1853ء–1944ء) نے قد أصبحنا اليوم إزاء الإسلام والمسئلة الإسلامية کے نام سے ایک آرٹیکل لکھا اور اس میں بڑی وضاحت کے ساتھ ان سرگرمیوں سے پردہ اٹھایا ہے، جو استعماری مقاصد کے پیش نظر مستشرقین نے افریقی مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے کے لئے اختیار کی تھیں۔[4]

اور تاریخ کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ برطانوی حکومت ہندوستان میں اپنے استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے مستشرقین سے مشاورت کے بعد اقدامات اٹھاتی تھی۔ ڈاکٹر ابراہیم اللبان نے لکھا ہے:

"میں نے ایک بڑے مستشرق کو خود اپنے سامنے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مسٹر ایڈن مشرق وسطی کے سیاسی معاملات میں کوئی قرار داد منظور کرنے سے پہلے عرب مستشرقین کی مجلس(Meeting) بلاتا، ان کی آراء سنتا اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کرتا تھا۔"[5]

مستشرقین، خصوصاً یہودی مستشرقین کا یہ طریقہ واردات رہا کہ وہ مسلمانوں میں اپنے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کے لیے پہلے رسول اللہ 1 کو عظیم ہیرو، مدبر، بہت بڑا سیاستدان، عبقری اور ایک ذہین انسان قرار دیں گے، لیکن اس کے پس پردہ، مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو آپ 1 کی ذہنی تخلیق ثابت کیا دیا جاسکے۔

فرانسیسی مستشرق مکسیم روڈی سن (**Maxime Rodinson** 1915– 2004) نے واضح طور پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ یورپین مفکرین نے اسلام کے متعلق بعض مخصوص نکات پر غیر منصفانہ تنقید کی ہے۔[6]

ڈاکٹر التہامی نقرہ مستشرقین کے اس رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

2- آرتھر جیفری، **مقدمہ کتاب المصاحف**(مصر: المطبعۃ الرحمانیہ، الطبعۃ الاولی، 1936ء-1355ھ)، ۴۔

3- ایڈورڈ سعید، الإستشراق. (تعریب) کمال أبو دیب (مؤسسۃ الأبحاث العربیۃ.) 265-

4- دیکھئے: الدکتور محمد البہی، **الفکر الإسلامي الحدیث** (القاھرہ: مکتبۃ وھبہ 1384ھ-1964ء)، 18-23-

۵- الدکتور ابراہیم اللبان، **المستشرقون والإسلام** (ملحق بمجلۃ الأزہر، صفر 1390ھ، اپریل 1970ء)، 18-؛ ایڈورڈ سعید، **الإستشراق**، 224-

6- M. Rodinson, Mohammed(Frankfurt,1975),8-

7- الدکتور التہامی نقرہ، **القرآن والمستشرقون**، مترجم: ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی (لاہور: نشریات، 2009ء)، 19۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"مستشرقین کی یہ مشترک تکنیک رہی ہے کہ وہ قرآن، رسول1 اور رسالت کے بارے میں اپنے زہریلے خیالات سے پہلے معروضی اندازِ تحقیق اور انصاف پسندی کا تاثر قارئین پر چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اور قارئین کو بعد میں پتہ چلتا ہے کہ قرآن، نبوت اور وحی کے بارے میں ان کے خیالات پرانی استشراقی روح اور رنگ ہی کے حامل ہیں۔"(7)

قرآن اور قراءات کے معاملے میں جادہ مستقیم سے انحراف کی اہم اور بنیادی وجہ وہ غلط منہج اور طریق کار ہے جو مستشرقین اور ان کی جگالی کرنے والوں نے اختیار کیا ہے، لہذا مستشرقین کی دسیسہ کاریوں اور قراءاتِ قرآنیہ کے بارے میں ان کے نقطہ نظر کا جواب دینے سے پہلے اس منہج کی غلطی کو واضح کرنا اور اس فکر بیمار کی نشاندہی ضروری ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے مقصد تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر　　کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاق

1۔ نقل وروایت پر اعتماد کی بجائے نام نہاد عقلیت پسندی (ظن وتخمین) کا طریق کار

آرتھر جیفری کتاب المصاحف کے مقدمہ میں اس استشراقی منہج تحقیق کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتا ہے:

فأما أهل النقل فاعتمدوا على آراء القدماء وعلي هذه التخيلات التى ورثوها عن آبائهم وأجدادهم والتى نقله ا العلماء من دور إلى دور وإذا ما وجدوا بين هذه الأراء خلافا اختاروا واحدا منها وقالوا أنه ثقة وغيره ضعيف أو كذاب. وأما أهل التنقيب فطريقتهم أن يجمعو الأراء والظنون والأوهامات والتصورات بأجمعها، ليستنجوا بالفحص والإكتشافات ما كان منها مطابقا للمكان والزمان وظروف الأحوال معتبرين المتن دون الإسناد.تجتهدون فى إقامة نص التوراة والإنجيل كما أقيم نص قصائد هوميروس أو نص رسائل أرسطو الفيلسوف

"جہاں تک اہل نقل کا تعلق ہے تو انہوں نے اسلاف کی آراء اور ان خیالات پر اعتماد کیا ہے جو انہیں اپنے باپ دادا سے وراثت میں ملے ہیں اور جنہیں علماء نے تاریخ کے ہر دور میں آئندہ نسل کی طرف منتقل کیا ہے۔ اور جب وہ ان آراء کے درمیان اختلاف دیکھتے ہیں تو ان میں سے ایک رائے کو اختیار کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ثقہ اور دوسرا ضعیف اور کذاب ہے۔ اس کے برعکس اہل تفتیش کا منہج یہ ہے کہ وہ تمام آراء، ظنون، توہمات اور تصورات کو جمع کرتے ہیں اور سند کی بجائے متن کا اعتبار کرتے ہوئے تحقیق وجستجو کے بعد زمان و مکان اور حالات کے مطابق ان سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ وہ توراۃ اور انجیل کی نص کی تحقیق کے لئے ویسے ہی کوشش کرتے ہیں، جس طرح ہومیروس کے ناولوں اور فلاسفر ارسطو کے رسائل میں کی گئی ہے۔"

نیز آرتھر جیفری (**Arthur Jeffery** ,1892 –1959) نے مزید یہ لکھا ہے کہ قرآنی نص کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے اس طریق کار کو نولڈیکے(**Theodor Nöldeke** ,1836 –1930) نے اپنی کتاب' تاریخ القرآن'(Geschichte des Qorans) 'میں اختیار کیا ہے۔(8)

8۔ آرتھر جیفری، مقدمہ کتاب المصاحف (مصر:المطبعة الرحمانية، الطبعة الأولى،1936ء/1355ھ)،۴-

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بلکہ یہی وہ منہج ہے جو اس کے بعد شالے (Schewally)، پرٹزل (Pritzl)، برجسٹراسر (Bergistrasser)، گولڈزیہر Ignaz Goldziher) رچرڈ بیل (Ritchard Bell) اور ان تمام مستشرقین نے اختیار کیا، جنہوں نے قرآن کریم اور قراءات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کو بھی اسی منہج کا تختہ مشق بنایا جو انہوں نے محرف کتبِ مقدسہ اور فلاسفرز اور ناول نگاروں کی کتب کے لئے اختیار کیا تھا۔

اس سلسلے میں اہم بات تو یہ ہے کہ ان سب مستشرقین کی تحقیق کا ایک ہی ہدف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تحقیق سے ایسا لگا بندھا نتیجہ اخذ کیا جائے جو امت مسلمہ کے چودہ صدیوں کے متفقہ موقف کے برعکس ہو، قطع نظر اس کے کہ تحقیق کا وہ نتیجہ حق ہے یا باطل۔ چنانچہ آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) خود لکھتا ہے :

> ولا يخفى على القارى أن نتيجة هذه الأبحاث لا يتفق وما عليه المسلمون من تاريخ القرآن، ولا يهمنا فى بحثنا هذا كونه حقا أو باطلا وإنما المهم هو بيان ما وصلنا إليه بعد التحرى والتنقيب[9]
>
> "قاری پر یہ بات مخفی نہیں رہے گی کہ ان ابحاث کا نتیجہ اس موقف سے ہم آہنگ نہیں ہو گا جو تاریخ قرآن کے بارے میں امت مسلمہ نے اختیار کیا ہے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ہماری اس بحث کا نتیجہ صحیح ہے یا باطل، ہمارا مقصد بس اس نتیجے کا اظہار ہے، جس پر ہم تلاش و جستجو کے بعد پہنچے ہیں۔"

اس عبارت پر غور فرمایئے اور مستشرقین کی تحقیقات کی داد دیجئے۔ اس صلیبی مستشرق کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کی تحقیق کا نتیجہ صحیح نکلتا ہے یا غلط، اسے تو بس اپنے علمی دنگل کا مظاہر کرنا ہے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان میں رہے

جب آپ لوگوں نے پہلے سے ہی یہ پروگرام طے کر لیا ہے کہ تحقیق کا نتیجہ بس مسلمانوں کے موقف سے ہم آہنگ نہ ہونے پائے۔ جب تحقیق کی اٹھان ہی اس طبع زاد مفروضہ پر ہے کہ قرآن کریم محمد 1 کی تصنیف ہے تو پھر ظاہر ہے نتیجہ وہی نکلے گا "ڈھاک کے تین پات۔"

> اور پھر آپ (آرتھر جیفری) کو یہ شکوہ ہے کہ "ہم (مسلمانوں) نے اپنے اسلاف کی آراء پر اعتماد کیا ہے... ایک رائے کو اختیار کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ثقہ ہے اور دوسرا ضعیف اور کذاب ہے۔" اور مسلمانوں کو اہل نقل ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔

اس شکوہ اور طعنہ کی وجہ یہ ہے کہ مستشرق موصوف نے جرح و تعدیل، علل حدیث و اسناد کے اس عظیم الشان فن کی باریکیوں اور نزاکتوں کا مطالعہ نہیں کیا یا جان بوجھ کر چشم پوشی کر رہے ہیں۔ یہ فن انتقادِ اعلیٰ کے اصولوں کا ایسا عجوبہ ہے کہ دور حاضر کے ناقدین اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے تحت پانچ لاکھ انسانوں کے حالات زندگی محفوظ کئے گئے۔ ان کے کردار اور سوچ و فکر کا ایک ایک زاویہ تحقیق کے اعلیٰ معیار پر تاریخ کے صفحات میں درج کر دیا گیا۔ پھر ہر کہہ و مہ کی بات پر اعتماد نہیں کیا گیا، بلکہ اس شخص کی بات پر، جس کی زندگی اس میدان میں صرف ہوئی ہو۔ جس پر زندگی کے عام معاملات میں کبھی جھوٹ کی تہمت عائد نہ کی گئی ہو۔ وہ کمال کردار و حافظہ کا مالک انسان ہو، سلسلہ سند کی ایک ایک کڑی دوسری سے یوں پیوست ہو کہ اس میں کہیں انقطاع کا شائبہ تک نہ ہو، اس کی بات اپنے سے زیادہ ثقہ اور ثقات کے خلاف نہ ہو۔ اس کی سند اور متن ہر قسم کے اضطراب سے پاک ہو۔ یہ وہ کڑا معیار

9۔ نفس مرجع، ۹-10-

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ہے، جس پر شاید کسی دور کی تاریخ بھی پورا نہ اتر سکے گی۔ اس سخت معیار پر قرآن کی تشریح حدیث و سنت کو محفوظ کیا گیا، لیکن قرآن کا معاملہ تو اس سے کہیں فزوں تر ہے۔ جو عرش عظیم سے اترا تھا اور خالق ارض و سماوات نے زمین پر اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ جو قلبِ محمد 1 پر نقش ہوا، جبریل امین 2 کے ساتھ دور کا سلسلہ ۲۳ سال تک مسلسل جاری رہا۔ ہزاروں صحابہ کرام 7 نے زبانِ نبوت 1 سے سن کر اس کا ایک ایک حرف اور حرکت اپنے سینے میں محفوظ کر لی۔ اور ان سے لاکھوں تابعین نے، اور یہ سلسلہ تاریخ کے ہر دور میں مسلسل چلتا رہا اور چودہ سو سالہ تاریخ کا کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں جس میں لاکھوں حفاظ کرام موجود نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کا ایک ایک حرف پیغمبر اسلام نے خود اپنی نگرانی میں لکھوایا۔ بالآخر لاکھوں انسانوں کے اعتماد سے عثمان غنی 5 نے اس کو مصحف کی شکل میں پھیلا دیا۔ خود تمہارے انصاف پسند مفکرین نے قرآن کی اس حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ ایسے حیرتناک صحیفہ آسمانی کا بائبل اور ہومیروس کے ناولوں اور ارسطو کے رسائل کے ساتھ تقابل کرنا تاریخ انسانی نہیں، بلکہ خود انسانیت کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے۔

یہ طرزِ تحقیق جو آپ لوگوں نے اختیار کیا ہے، تورات و انجیل کیلئے موزوں ہو سکتا ہے، قرآن کے لئے قطعاً نہیں، کیونکہ دونوں میں جوہری فرق ہے۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ اور طرز ادا کو نقلی، صوتی اور تحریری تواتر حاصل ہے، بعینہ اسی طرح جیسے اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا، لیکن تورات اور انجیل کا تواتر تو کیا، سلسلہ سند تک کسی کو معلوم نہیں ہے اور پھر خود تمہیں بھی یہ دعوی نہیں ہے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو عیسی اور موسی علیہما السلام پر نازل ہوئے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اناجیل کا اکثر حصہ عیسی علیہ السلام کی سیرت اور حالاتِ زندگی مشتمل ہے۔

آپ (آرتھر جیفری) نے کہا: "ہم (مستشرقین) آراء، ظنون، توہمات اور تصورات کو جمع کرتے اور اس کے متن کا تجزیہ کر کے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔" ہاں بالکل درست! رطب و یابس اور لکڑیوں کے ساتھ سانپ بھی شامل ہو جائیں تو تحقیق و تفتیش کی واقعی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جو چیز قطعی ذرائع سے ثابت ہو۔ تاریخ اسلام کے کسی دور میں بھی اس کے بارے میں دو رائے نہ رہیں ہوں۔ اس امت کے ہر نابغہ روزگار، عبقری اور جاہل سے جاہل انسان کو بھی اس کے کلام اللہ ہونے کا قطعی یقین ہو، کیا اس کو تجزیہ کی سان پر چڑھانا کوئی دانشمندانہ حرکت ہو گی؟ کیا سورج اور چاند کے وجود پر علمی کشتی کرنے کی کوئی ضرورت ہے؟

2۔ مسلّمہ حقائق میں تشکیک کا طریق کار

جدید مستشرقین نے بھی اپنے پیش رو اسلاف کی طرح عموماً جو طرزِ تحقیق اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمہ حقائق اور قرآنیات کے متعلق صحیح روایات کے تناظر میں پہلے ایک غلط مقدمہ قائم کیا جائے اور پھر اس سے معکوس نتائج اخذ کر کے قاری کے دل میں ان حقائق کے متعلق شکوک و شبہات کے کانٹے بو دیئے جائیں، تاکہ اس کا یقین اس عقیدہ سے متزلزل ہو جائے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث میں ہے کہ نبی 1 نے ایک صحابی کو مسجد میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: **رحمه الله لقد أذكرني آية كنت أنسيتها.**[10] اب David Samuel Margoliouth اس روایت کو ذکر کر کے اس سے پہلے یہ غلط مفہوم اخذ کرتا ہے کہ "اگر آپ 1 ایک آیت بھول سکتے ہیں تو دوسری بھی بھول سکتے ہیں۔" اور پھر اس بنیاد پر ایک مسلمہ حقیقت میں یہ کہ کر شک کا ٹانکا داخل کرتا ہے: "لہذا ممکن ہے قرآن کا کچھ حصہ مصحف میں شامل ہونے سے رہ گیا ہو۔"[11]۔ حالانکہ اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ

10۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب شهادة الأعمى...3:172، رقم:۵۵۶۲۔

11- D.S. Margoliouth, "QURAN", in Encyclopaedia of Religion and Ethics, ed. Jameas. Hastings, (Edinburgh:T.&T. Clark,1918), 10:542-

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بعض دفعہ ایک چیز انسان کو یاد ہوتی ہے، لیکن مستحضر اور تازہ نہیں ہوتی، یہ آیت بھی آپ کے حافظہ میں محفوظ تھی، لیکن مستحضر نہیں تھی، کیونکہ قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل و دماغ پر نقش کر دیا جاتا تھا۔ [القیامۃ:۸۱،۷۱،۶۱]

اور قرآن کریم نبی1کے متعلق پوری صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ((سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ[الأعلیٰ۶:۸۷]لیکن حیرت ہے کہ یہ آیت جو آپ1کے نہ بھولنے میں نص قطعی ہے، اس سے(F.Buhl)پہلے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ یہ آیت:

> clearly suggest that the discourses in question were not written down

اور پھر قرآن کی حقانیت میں شک کا یہ زہریلا کانٹا پیوست کرنے کی کوشش کرتا ہے:

> We must must probably consider the possibility that a good deal has bean lost,of the earliest revelations in particular.[12]

مستشرقین یہ جانتے ہیں کہ شک ہمیشہ دوسرے شک دوسرے شک کو جنم دیتا ہے،لہذا وہ ہمیشہ مختلف فیہ روایات کو بغیر کسی ہچکچاہٹ اور شدومد سے پھیلائیں گے، قطع نظر ان کی استنادی حیثیت کے اور قطع نظر اس سے کہ علمائے اسلام نے ان کے بارے میں کیا نقطہ نظر اختیار کیا ہے؟ آرتھر جیفری(Arthur Jeffery)کا ان قطعی اسانید کو چھوڑ کر جو عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور زید بن ثابت7تک متواتر ذرائع سے پہنچتی ہیں، ان کی طرف من گھڑت اور ضعیف روایات منسوب کرنا، جن کے بارے میں اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ بعض ان میں عربی قواعد کی رو سے غلط ہیں اور بعض نحویوں کی اختراعات ہیں۔[13] اس کی کوئی توجیہ سوائے اس کے ممکن نہیں ہے کہ یہ مستشرق محض شکوک وشبہات کو ہوا دینا چاہتا ہے۔

ایک لاکھ کے قریب صحابہ کرام7سورۃ الفاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے پر متفق تھے۔ آج بھی کروڑوں مصاحف میں یہ تینوں سورتیں موجود ہیں۔ ہر دور میں امت مسلمہ ان کے قرآن ہونے پر متفق رہی ہے اور وہ متواتر اسانید جو عبد اللہ بن مسعود5اور دیگر صحابہ7تک پہنچتی ہیں، ان میں یہ سورتیں شامل ہیں۔ ان اٹل حقائق کے مقابل مستشرقین عبد اللہ بن مسعود5کی طرف منسوب مختلف فیہ اور ضعیف روایات کو اچھالنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ مشہور مستشرق امیل درمنگھم (Emile Dermenghem 1892 – 1971) نے مستشرقین کی اس عام روش کو افسوسناک قرار دیا ہے اور واضح لکھا ہے کہ میور، نولڈیکے، اسپرنگر، ڈوزی، کیتانی، مارسین، گریم، گولڈزیہر، گوڈفریں جیسے ماہر مستشرقین نے تنقید میں غلو اور انتہاپسندی سے کام لیا ہے۔ ان کی کتابیں خاص طور پر تخریبی رنگ کی حامل ہیں۔ جن نتائج تک مستشرقین پہنچے، وہ سب ناقص ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں:

> Sometimes unfortunately,certain of these specialists fell into the error of excessive radicalism.------The results of these last are unfortunately still incomplete, contradictory and negative as well.----[14]

12- F. Buhl, "KORAN", in The Encyclopedia of Islam, ed. M. Th.Houtsma, A. J. Wensinck, T. W. Arnold, W. Heffening and E. Levi-Provencal (Leiden: E. J. Brill, 1927), 2:1067-

13- Arthur Jeffiry, Materials for the history of the text of the Quran Leiden :1937) , x-

14- Emile Dermenghem, The Life of Mahomet (London:George Routledge & Sons,LTD,1930), ix-xi-

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

3۔ مصادر کے استعمال میں ذاتی پسند وناپسندSeletionکا طریق کار

کسی بھی تحقیق میں اختیار کئے جانے والے منہج کی فعالیت(Efectiveness)مصادر کے اعلی معیار پر منحصر ہوتی ہے۔ کسی بھی علم وفن کے غیر معتبر مصادر کی بنیاد پر باطل اتہامات کا تبادلہ انسانی مصالح کے لئے ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ یہی وہ بنیادی اصول ہے جو ہر ریسرچ کا مرکز و محور ہوتا ہے۔ تحقیق میں مصادر و مراجع جس قدر بنیادی(Original) اور موضوع سے متعلقہ(Relevent)ہوں گے، اسی قدر تحقیق حقائق کے زیادہ قریب ہوگی۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ محقق ہر قسم کے تعصب کو ذہن سے کھرچ کر اس سوچ کے ساتھ آگے بڑھے کہ حق اگر میرے سامنے واضح ہو گیا تو میں اسے قبول کرلوں گا۔ اگر یہ چیز نہیں ہے تو ہر انصاف پسند محقق اس کو منہج کا نقص(fault)قرار دے گا۔

اور منہج کی یہی خامی(Drawback)ہی مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے چند نکات پیش کئے جائیں گے، تاکہ مستشرقین کے منہجِ تحقیق کا یہ طریقہ واردات واضح ہو سکے۔

قرآنیات پر مستشرقین کی تحقیقات کا دقتِ نظری سے جائزہ لینے والا ہر محقق یہ امر ملاحظہ کرے گا کہ انہوں نے علوم القرآن کی امہات اور مستند(Authentic)کتب کو چھوڑ کر ہمیشہ اپنے مطلب کی چند مخصوص اور متنازع کتب پر اعتماد کیا ہے، جن کے مندرجات نقد کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ چنانچہ نولڈیکے(Theodore Noldeke)، رچرڈ بیل Ritchard Bell اور بلاشیر (R.Blachere)کی نگاہِ تحقیق اکثر و بیشتر ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف، امام سیوطیؒ کی الإتقان اور زمخشری کی الکشاف، ابن ندیم کی الفہرست سے تجاوز نہیں کرتی۔ لیکن صحاح ستہ، الموطأ، امام ابن عطیہ اور امام قرطبیؒ کے مقدماتِ تفسیر کی صحیح روایات پر وہ کبھی اعتماد نہیں کرتے۔ وہ المرشد الوجیز از ابو شامہ المقدسی، النشر از ابن جزری، الإنتصار از ابو بکر الباقلانی، التبیان از النووی اور فنون الأفنان فی عجائب علوم القرآن از ابن الجوزی، الفتاوی الکبری از ابن تیمیہ، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج اور فتح الباری کی علوم القرآن سے متعلقہ مباحث کی طرف کبھی اشارہ بھی نہیں کریں گے۔ حیرت کہ ادب کی کتابوں کے حوالے نقل کر کے اسے قرآن کریم کے مباحث میں چسپاں کرتے ہیں اور کتب تاریخ کے حوالوں سے فقہی موشگافیوں کا استنباط کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دمیری کی کتاب الحیوان کی روایات تو صحیح ہیں لیکن امام مالکؒ کی الموطا کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ بلاشیر (R.Blachere) نے اپنی کتاب 'مدخل إلی القرآن' میں 180 کے قریب کتب پر اعتماد کیا ہے۔ ان میں صرف ۴۷ کتب عربی ہیں۔ اور وہ بھی زیادہ تر ادب اور تاریخ کے موضوع پر ہیں۔ مثلاً تاریخ الیعقوبی، مروج الذہب از مسعودی، مقدمہ ابن خلدون اور الفہرست از ابن ندیم وغیرہ۔

اب آپ خود فرمایئے! کیا اس قماش کا طرز تحقیق معروضی کہلوانے کا مستحق ہے؟ اور حیرت یہ ہے کہ جب ہم ان کے مصادر و مراجع کی فہرستوں کا باہم موازنہ کرتے ہیں تو جدید مستشرقین بھی انہیں کتب پر اعتماد کرتے نظر آتے ہیں، جن پر ان کے بڑوں نے کیا تھا۔ وہی حوالے، وہی اقتباسات، وہی فرضی احتمالات اور وہی پٹے ہوئے نتائج، حالانکہ علوم القرآن کے موضوع پر بے شمار مستند(Authentic)کتب اب منظر عام پر آگئیں ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے معلومات کو تازہ (Up to Date)کیا جا سکتا ہے، لیکن مقصد اگر تحقیق کے پردہ میں تخریب ہو تو پھر چبائے ہوئے نوالوں کو دوبارہ چبانے میں کیا حرج ہے؟ مثال کے طور پر دائرۃ المعارف الإسلامیۃ الإستشراقیۃ، الطبعۃ الثانیۃ میں 'القرآن' کے موضوع پر A.T.Welch کا طویل آرٹیکل، جسے بڑی عرق ریزی سے تیار کیا گیا ہے، لیکن وہی نئی بوتلوں میں پرانی شراب، یہ پورا آرٹیکل، Theodore Noldeke کی تاریخ القرآن، آرتھر جیفری (Arthur Jeffery)کی Materials for the history of the text of the Quranاور بلاشیر (R.Blachere)کی 'مدخل إلی القرآن' کا چربہ ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نیز معروضی تحقیق کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ آپ پہلے ہی کوئی مقدمہ قائم کر کے اس کے لئے دلائل مہیا کرنے کی کوشش نہ کریں اور کسی موضوع پر کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں۔ لیکن مستشرقین کے ہاں منہج کی یہ کمزوری واضح نظر آئے گی، مثلاً اجناس گولڈ زیہر (Ignaz Goldziher) نے مذاہب التفسیر الإسلامی (DIE Richtungen Der Islamis Hen Koranauslegung) میں تمام حقائق کو نظر انداز کر کے پہلے ایک مقدمہ قائم کیا ہے اور پھر تاریخ تفسیر سے اس کے لئے صرف اپنے مقصد کی مثالوں کا بڑی مہارت سے انتخاب کیا ہے۔ نیز وہ اسلام میں تفسیر کے مختلف مکاتب فکر اور ان کے تفسیری اصولوں کا تعین کرنا چاہتا ہے، لیکن حیرت یہ کہ اس کے لئے وہ صرف امام طبریؒ، زمخشریؒ اور ابن عربیؒ کی تفسیر کا انتخاب کرتا ہے۔ اور ان سے وہی منہج کشید کرتا ہے جو اس کی فکر کو سپورٹ کرتا ہے۔ لیکن جہاں اس کا یہ من پسند منہج اپنی فکر سے متصادم نظر آتا ہے، وہاں وہی یہودی روش أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ [البقرة۲:۵۸] اس کے لئے اس کی مذکورہ کتاب کے صفحات: ۳۷، ۰۲۱، ۱۰۲، ۲۸۲، ۳۳۷ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، جس سے اس کی دسیسہ کاری مبرہن ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مستشرق موصوف اگر تفسیر کے تشریعی، فقہی، نحوی، ادبی اور منقولی؛ تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا تو اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ قرآنی نص میں زبر، زیر کی تبدیلی بھی راہ نہیں پا سکی۔ وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ اور شگفتہ ہے، جس طرح محمد رسول اللہ 1 پر نازل ہوا تھا۔

❏ علوم القرآن کے مصادر میں سے ضعیف اور موضوع روایات کا انتخاب

قرآنی تحقیقات کے سلسلے میں تقریباً تمام مستشرقین کا یہ متفقہ منہج رہا ہے کہ عربی مصادر کے بطن سے ضعیف، منقطع موضوع اور مبہم روایات کو کھوج کھوج کر نکالا جائے اور اس کے بعد انہیں اپنے مزعومہ افکار اور مخصوص اہداف کے لئے بطور دلیل استعمال کیا جائے۔ یہ لوگ نص قرآنی کے متعلق ذہنی الجھاؤ پیدا کرنے کے لئے، امت مسلمہ کے متفقہ موقف کے خلاف، ہمیشہ متنازع کتب میں سے باہم متضاد روایات کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹا کر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً A.T.Welch نے Encyclopaedia of Islam میں اپنے آرٹیکل 'Al- Kuran'[15] میں امام سیوطیؒ (م ۱۱۹ھ) کی کتاب 'الاتقان' میں سے 'أول من جمع القرآن' کے باب میں تمام ضعیف اور باہم متضاد اور مبہم رطب و یابس روایات نقل کر دی ہیں، حالانکہ خود امام سیوطیؒ نے ان روایات کو منقطع اور ضعیف قرار دیا ہے۔[16] کہیں یہ ذکر ہے کہ عمر فاروق 5 نے سب سے پہلے قرآن جمع کیا تھا اور کہیں حضرت علی 5 کا نام ہے۔ اس کے بعد یہ مستشرق 'کتاب المصاحف' از ابن ابی داؤد میں سے ان روایات کو ذکر کرتا ہے، جن سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ابو بکر صدیق 5 نے تدوینِ قرآن کا آغاز کیا تھا، لیکن اس کی تکمیل عمر فاروق 5 نے کی۔[17] اس کے بعد وہ 'طبقات ابن سعد' کی ایک روایت لاتا ہے، جس

15- A.T.Welch, "Al-Kur'ān" in Encyclopaedia of Islam, ed. C.E.Bosworth, E. van Donzal, V. Lewis, and Ch. Pellat (Leiden: E. J. Brill, 1986), 5: 406-

16- جلال الدین سیوطی، الإتقان في علوم القرآن، بالهامش اعجاز القرآن از قاضی أبی بکر باقلانی (مصر: مكتبة مصطفي البابي الحلبي، 1951ء) 1:206-202-

17- ابن أبي داؤد، کتاب المصاحف، دراسة و تحقیق، الدکتور محب الدین واعظ (قطر: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الطبعة الأولى، ۱۴۱۵ھ/1995ء) 1:183-181

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سے یہ تاثر ملتا ہے کہ عمر فاروق 5 بھی اس کی تکمیل سے قبل انتقال کر گئے تھے۔[18] لیکن مستشرق موصوف نہایت چابکدستی کے ساتھ صحیح بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی ان تمام قطعی روایات کو گول کر جاتا ہے، جن پر پوری امت مسلمہ کا اجماع رہا ہے کہ عمر فاروق 5 کے مشورہ، اور معاونت سے زید بن ثابت 5 کی سربراہی میں یہ کام دورِ ابو بکر 5 میں مکمل ہو گیا تھا اور حضرت علی 5 نے اس عظیم کارنامے پر حضرت ابو بکر 5 کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔ حیرت یہ ہے کہ یہ روایات بھی 'الإتقان' اور 'کتاب المصاحف' میں موجود ہیں، لیکن مجال کہ مستشرقین کی نظر ان پر پڑ جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر ابراہیم اللبان نے صحیح لکھا ہے:

فهم لا يترددون فى الإعتماد على الأحاديث الضعيفة وهم ينقبون فى طوايا كتب التاريخ والسير عن أخبار ضعيفة غير ثابتة يدعمون بها آرائهم .ولهم صبر لا ينفد فى استكشاف هذه المخبوءات واستغلال الضعيف من الدلالات.ومهما يكن من شيء فهم لا يستوعبون دراسة ما بأيديهم من المسائل،وكثيرا ما يغفلون النصوص والأخبار التى تناقض ما يقررون[19]

"یہ لوگ ضعیف روایات پر اعتماد کرنے میں ذرا تردد نہیں کرتے۔ کتب تاریخ و سیر سے ضعیف اور خود ساختہ خبروں کو کھوج کھوج کر نکالتے ہیں اور اس کے بعد ان میں اپنی ذاتی آراء کو شامل کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی جانفشانی سے اس قسم کی قصہ پارینہ روایات کو ڈھونڈتے ہیں اور پھر ان میں سے انتہائی کمزور روایات کو بڑی مہارت سے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کچھ بھی ہو جائے، یہ لوگ کبھی اپنے پیش نظر موضوعات میں تمام دلائل اور مواد کا احاطہ نہیں کرتے، بلکہ اکثر اپنے طے شدہ نتائج بحث کے خلاف صریح تاریخی حقائق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

یہ جاننے کے باوجود کہ ابن ابی داؤد نے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے بغیر تحقیق کے تاریخ قرآن کے بارے میں رطب و یابس جو کچھ میسر آیا، جمع کر دیا ہے، مستشرقین کا اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لینا، کیا بد دیانتی اور غیر معروضی طرزِ تحقیق کا مظہر نہیں ہے؟ ڈاکٹر جواد علی نے بالکل سچ لکھا ہے:

"مستشرقین نے بسا اوقات کمزور احادیث کو بنیاد بنا کر فیصلے کئے اور مشہور حدیثوں کے مقابلہ میں شاذ اور غیر معروف احادیث کا سہارا لیا، کیونکہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کا یہی تنہا وسیلہ ہے۔"[20]

☐ ادبی اور تاریخی کتب میں سے نئی اور اجنبی عبارات کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا

اسلام نے پہلی دفعہ ایک شاندار منہج تحقیق دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس بات پر زور دیا کہ تحقیق میں ہمیشہ اسی فن کے قابلِ اعتبار مصادر پر اعتماد کیا جائے اور استشہاد میں انہیں کو ترجیح دی جائے۔ لیکن مستشرقین نے اس کے برعکس قرآنیات کی تحقیقات میں ایک نہایت ہی نرالا اور مضحکہ خیز منہج تحقیق متعارف کروایا۔ اسی فن کے غیر معتبر مصادر سے استشہاد پر ہی اگر اکتفا کر لیا جاتا تو معاملہ کسی حد تک قابل برداشت تھا، لیکن انہوں نے اپنی مقصد برآری کے لئے ہر قسم کی شرم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قرآنیات کی تحقیق میں ایسے ایسے مصادر کا استحصال شروع کر دیا جن کا قرآنیات کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ چنانچہ اسلام کے خلاف ابلتے ہوئے سینوں کی تسکین کے لئے مسعودی کی مروج الذہب، اصفہانی کی کتاب الأغانی، ابن ندیم کی الفہرست، غزالی کی إحیاء

18۔ محمد بن سعد، **الطبقات الکبری**، تحقیق: محمد عبد القادر عطا (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الأولی 1410ھ / 1990ء)، 3:212-

19۔ الدکتور ابراہیم اللبان، **المستشرقون والإسلام** (ملحق بمجلۃ الأزہر، صفر 1390ھ / اپریل 1970ء)، ۳۳-

20۔ جواد علی، تاریخ العرب قبل الإسلام (مطبوعہ بغداد، 1916ء)، 1:95-

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

العلوم، دمیری کی کتاب الحیوان اور عربی زبان وادب کی متعدد کتب میں سے ایسا مواد پیش کیا گیا، جس سے عالم اسلام تقریباً نا آشنا تھا۔[21]

اس پر فریب اسلوبِ تحقیق کا مقصد فکری انتشار اور قرآن کے بارے میں تشکیک کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ فرانسیسی مستشرق ریجس بلاشیر (Regis.Blachere) نے مکی اور مدنی سورتوں کی بحث میں یہی حرکت کی ہے۔ پہلے امام سیوطیؒ کے حوالے سے سورتوں کی تعداد 114 ذکر کرتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے: "لیکن ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں جو روایت پیش کی ہے، اس کے مطابق مکی سورتوں کی تعداد 85، اور مدنی سورتوں کی تعداد 28 ہے۔" اور اس کے فوراً بعد لکھتا ہے: "دیکھو، اس لحاظ سے تعداد 113 بنتی ہے۔"[22]

غور فرمایئے! وہ اٹل حقیقت جس پر 14 صدیوں کے تاریخی تسلسل میں کبھی اختلاف نہیں رہا، اور قرآن کریم کے کروڑوں نسخے جس پر شاہد عدل ہیں، لیکن یہ مستشرق، تحقیق کے میدان میں جس کی حقیقت پسندی کا بڑا شہرا ہے، اس کو اتنی بھی جرأت نہ ہو سکی کہ اس کو ابن ندیم کا سہو یا کتابت کی غلطی قرار دے دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین نے ان مصادر پر نہ صرف اندھا اعتماد کیا ہے، بلکہ ان کی تعریف میں رطب اللسان بھی ہوئے۔ ایسی کتب کی نشر و اشاعت کا باقاعدہ اہتمام کیا، کیونکہ حقائق کو مسخ کرنے اور قرآن پر گرد اڑانے کا سامان یہاں میسر تھا۔ اس مکروہ طرزِ تحقیق سے قرآن کریم کی عظمت پر تو کوئی حرف نہ آسکا، البتہ مستشرقین کی معروضیت پسندی کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ مشہور مستشرق درمنگھم (Emile Dermenghem) اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئی لکھتا ہے:

> And we forced to admit that the most serious ones were at first on the side of the occidentals.At the finsh the bazantine polemists who crushed with their contempt without taking the trouble to study it the writers and minstrels fought the Saracens with only ridiculous calumnies.[23]

"ہمیں یہ بات مان لینی چاہیے کہ ان غلط فہمیوں کا زیادہ تر شکار اہل مغرب ہی ہوئے ہیں۔ ان شدید فکری معرکہ آرائیوں میں مستشرقین نے تحقیق سے کام لینے کی بجائے بازنطینی طریقِ بحث و مناظرہ کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا، پھر اس کے بعد مغرب کے وظیفہ خوار شعراء اور مصنفین نے اہل عرب پر شدید حملے کیے اور ان کے یہ حملے باطل، بلکہ متضاد اتہامات کے سوا کچھ نہ تھے۔"

❑ قرآنیات کی تحقیق میں بنیادی مآخذ کو چھوڑ کر پیش رو مستشرقین کی کتب پر اندھا اعتماد

اصل مصادر کی بجائے ثانوی مآخذ پر اعتماد بھی تحقیق کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے۔ لیکن مستشرقین نے قرآنی تحقیقات میں جابجا یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ اور حوالہ دیتے ہوئے علوم القرآن کے اصل مصادر پر ثانوی مصادر یعنی پیش رو مستشرقین کی کتب کو فوقیت دی ہے۔ مثلاً فرانسیسی مستشرق بلاشیر (R.Blachere) جمع قرآن سے متعلقہ احادیث مبارکہ اور روایاتِ ماثورہ کے حوالہ

21۔ دیکھئے: أجناس جولد زیہر ، مذاهب التفسير الإسلامی، تعریب: عبد الحلیم النجار (مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ)، 78، 83، 90، 91۔

؛ Regis.Blachere, Introduction Au coran(Paris:G.-P.Maisonneve,1947) 29,76 -

22- Regis.Blachere, Ibid, 243-

23- Emile Dermenghem, The Life of Mahomet, 119-

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

میں ہمیشہ نولڈیکے (Theodore Noldeke) کی کتاب تاریخ القرآن پر اعتماد کرتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ اپنی کتاب کے صفحہ 89 کے ایک حاشیہ میں حضرت انس بن مالک 5 کی حدیث کے سلسلہ میں پہلے نولڈیکے (Theodore Noldeke) کی کتاب کا حوالہ دیتا ہے اور اس کے بعد واحدی کی **أسباب النزول**، تفسیر إبن حبان اور سیوطیؒ کی **الإتقان** کا حوالہ دیتا ہے۔

اسی طرح (A.T.Welch) اپنے آرٹیکل ''Al-Kur'ān'' میں لفظ أمی کے بارے میں کہتا ہے: ''قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس سے یہ پتہ چلے کہ لفظ الأمی سے مراد وہ شخص ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔''[24]

لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس کے لئے کتب تفاسیر کی طرف رجوع کرنے کی بجائے براہ راست نولڈیکے (Theodore Noldeke) کی تاریخ القرآن ۱/14، بیل کی کتاب، ص ۳۳، اور بلاشیر (R.Blachere) کی مدخل کا حوالہ دیتا ہے۔

4۔ ذاتی رجحانات اور پیشگی تصورات سے مغلوبیت کا اثر

ذاتی رجحانات اور پیشگی تصورات کے سے مغلوب ہو کر تحقیق کرنا قطعاً غیر معروضی طریق کار ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ کسی چیز کے ایک ہی پہلو کو مرکز نگاہ بنا لینے سے اس کے دوسرے پہلو نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ مستشرقین کے ساتھ بھی یہی حادثہ ہوا۔ چونکہ یہ مفروضہ مستشرقین کے شعور میں راسخ ہو گیا ہے کہ قرآن کریم یہودی اور نصرانی افکار سے متاثر ہوا ہے، لہذا اس کا رنگ اب ان کے اسلوبِ تحقیق میں بھی جابجا نظر آتا ہے۔ (1929ء - 1861ء) Etienne Dinet, نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''مستشرقین کے لئے اپنے ماحول، جذبات اور رجحانات سے کنارہ کش ہونا بے حد مشکل، بلکہ ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے نبی (1) اور صحابہ (7) کے حالات پر قلم اٹھاتے وقت انہوں نے اس قدر تحریفات کی ہیں کہ اصل تصویر نگاہوں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تحقیق کے منصفانہ اصولوں اور تحقیق کے علمی طریقہ کار پر کاربند ہونے کے دعوے کرتے ہیں، لیکن ان کی تحریروں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہ دعوے محض فریب ہیں۔''[25]

پیش رو مستشرقین نے اپنی کتب میں اس رجحان کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ ایک یہودی مستشرق ابراہیم غیغر **Abraham Geiger** (1810 –1874) نے 1833ء میں ایک کتاب لکھی، جس کا عنوان تھا: "Was hat Mohammed aus dem judenthume aufgenommen" ''محمد نے یہودیت سے کیا اخذ کیا ہے؟'' یہ اشتہا انگیز عنوان گویا استشراقی تحقیق میں اس بات کا برملا اظہار تھا کہ قرآن کریم میں مستشرقین کو جو بات بھی نظر آئے، اسے بے تکان یہودیت اور عیسائیت کا چربہ قرار دے دیا جائے۔ اس فکری اسیری، ذہنی غلامی اور دماغی مغلوبیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مستشرقین کو جہاں بائبل اور قرآن کے درمیان معمولی سی مشابہت بھی نظر آئی، اسے فوراً عیسائیت اور یہودیت سے اثر پزیری کا نتیجہ قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح قرآنی قصص بھی ان کے نزدیک یہودی اور عیسائی قصص سے ماخوذ قرار پائے۔ چنانچہ ریجس بلاشیر (R.Blachere) لکھتا ہے:

24- A.T.Welch, "Al-Kur'ān" in Encyclopaedia of Islam ,5: 404-

24۔ علوم اِسلامیہ اور مستشرقین 81

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"مکی سورتوں میں نصرانی اثرات بالکل واضح ہیں۔"[26] اس کے بعد وہ اپنی رائے کے حق میں بعض محققین کے اقوال ذکر کرتا ہے اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ بانی اسلام اور فقراء عیسائیوں کے درمیان باقاعدہ تعلقات تھے۔

اسی طرح بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں وارد ہونے والے اکثر نام اصل میں عبرانی ہیں۔ چنانچہ ایک فرانسیسی یہودی مستشرق 'آندرے شوراکے'(Andre Chouraqui) نے اپنے قرآن کے ترجمہ۔ جسے مسلمانوں سے زیادہ خود مستشرقین نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ میں بعض عربی الفاظ کا ترجمہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ اس کے خیال میں اصلاً عبرانی الفاظ ہیں۔[27]

اس نے اپنے معانی القرآن کے مقدمہ میں جو 23 صفحات پر مشتمل ہے، اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ قرآن کی زبان جدید عربی زبان کی نسبت توراتی عبرانی کے زیادہ قریب ہے۔ اور بالآخر اس کی تان اس پر ٹوٹتی ہے کہ قرآن کا اصل سرچشمہ تورات ہے۔ چنانچہ وہ رب العالمین کا ترجمہ Rabb des universe سے کرتا ہے۔ اور لفظ رب کا ترجمہ اس لئے نہیں کیا کہ یہ اس کے خیال میں توراتی عبرانی لفظ ہے۔

اسی طرح گولڈ زیہر (Ignaz Goldziher) انتہائی پر فریب انداز سے شعار اسلام؛ نماز کو اس کی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے مشرقی نصرانیت کی نماز کے مشابہ قرار دیتا ہے۔ عاشوراء کے روزے کا حوالہ دیتا ہے، جسے نبی 1 نے یہودیوں کو دیکھ کر اختیار کیا تھا۔[28]

اس غلط سوچ اور فکر کو اپنے منہج کی بنیاد بنا کر جب مستشرقین نے قرآنی متن کے بارے میں تحقیقات کا آغاز کیا تو اپنی ساری مساعی اس میں تحریف ثابت کرنے پر صرف کر دیں۔ چنانچہ ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے مستشرقین کے اس مکروہ طرزِ تحقیق کا اظہار ان الفاظ کیا ہے:

> "مستشرقین نے اپنے آپ کو اسلام، مشرق اور اسکی تہذیب کا ٹھیکیدار سمجھتے ہوئے اسلام اور مشرقی تہذیب کی تعبیر اپنے ان فکری رجحانات اور خیالات کے مطابق پیش کی جو انہیں غاصب استعماری طاقتوں کی طرف سے الہام ہوتے تھے، قطع نظر اس سے کہ وہ خیالات جھوٹ تھے یا سچ تھے۔[29]

مستشرقین کے فکر و نظر کا زاویہ اس پہلو پر اس طرح مرکوز ہو گیا کہ یہ واضح حقیقت ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں تھا، بلکہ نزول قرآن کا مقصد ہی تورات و انجیل کی تصدیق کرنا اور اسلام کی مسخ شدہ صورت؛ یہودیت اور نصرانیت کی اصلاح کرنا تھا۔ چنانچہ قرآن نے یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں انبیائے کرام کے بارے میں جو نازیبا افسانے معروف ہو گئے تھے، ان کی تردید کی اور انبیاء کے بارے میں صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کی۔ نیز تمام آسمانی کتب کا سرچشمہ لوح محفوظ ہے۔ اس لئے جزوی مشابہت کو بنیاد بنا کر یہودیت اور عیسائیت کو اسلام کا سرچشمہ قرار دینا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی شخص یہودی اور نصرانی نظریات پر پیشگی ایمان نہیں لایا اور قرآن کا مطالعہ ہر خارجی فکر سے آزاد ہو کر، محض تحقیق حق اور طلب ہدایت کی نیت سے کرتا ہے تو وہ یقیناً اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ قرآن کریم کا ماخذ اور سرچشمہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

5۔ خیالی اور مفروضی طریقہ کار (Assumed Methodology)

25۔ R. Blachere: Le probleme De Mohomet PUF -pairs 1952 p 42

26۔ Le Coran: L' Appe,traduction de Andre Chouraqui,ed Robert Laffont-paris 1991

27۔ العقیدۃ والشریعۃ فی الإسلام ۱۷، ترجمہ محمد یوسف موسیٰ وزمیلیہ، طبعۃ مصر ۱۹۴۸

28۔ Edward Said, Orientalism,kegan paul,London,1980,P.6

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تشکیکی طریقہ کار، جس کا گزشتہ سطور میں ذکر ہوا ہے، کے ذریعے مستشرقین حقائق میں شکوک شبہات پیدا کرتے ہیں، اوراس مفروضی طریق کار کے ذریعے فرضی قیاسات اور افسانہ طرازیوں کو سچ کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔اس طریق کو اختیار کرتے ہوئے مستشرقین نے قرآنیات کی تحقیق میں نہایت خطرناک نتائج اخذ کئے ہیں۔مثال کے طور پر معروف مستشرق آرتھر جیفری(Arthur Jeffery) سورۃ جن کے بارے میں ایک مفروضہ قائم کرتے ہوئے کہتا ہے: "اس سورت کی آخری آیات اسلوب اور ظاہری صورت کے اعتبار سے ماقبل آیات سے مختلف ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اجنبی حصہ کو جامعینِ قرآن نے یہاں لکھ دیا ہے۔"[30]

ملاحظہ فرمایئے! آرتھر جیفری(Arthur Jeffery) محض ایک مفروضے کو اس قدر اعتماد سے پیش کررہا ہے کہ شاید حقیقت یہی ہے اور مستشرقین اپنی تحقیقات میں قارئین کو مخاطب کرنے کے لئے عموماً یہی انداز اختیار کرتے ہیں۔اگر آرتھر جیفری(Arthur Jeffery)اس پوری سورت کے تناظر میں غور کرتا یا کتب تفاسیر کی طرف رجوع کرلیتا تو اس کی یہ غلط فہمی یقیناً دور ہو جاتی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فرانسیسی مستشرق ہنری ماسیہ(Henri Masse)جمع عثمانی پر اعتراض کرتے ہوئے واضح طور پر اس اسلوب تحقیق کا مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے۔وہ لکھتا ہے:"اس قیاس(Assumption)کا امکان موجود ہے کہ اس کام میں حضرت عثمان کے پیش نظر سیاسی مقصد تھا۔"[31] اور نولڈیکے (Theodore Noldeke) بھی آرتھر جیفری(Arthur Jeffery) کی طرح یہی طریقہ واردات اختیار کرتا نظر آتا ہے:

"It seems to me highly probable that this second redaction took his simple form , Zaid read off from the codex which he had previously written" [32]

فرانسیسی مستشرقCaude Gilliotسورۃ اسراء کی آیت:۱، جس میں معجزہ اسراء کا تذکرہ ہے، کو محض مفروضات کی بنیاد پر مابعد آیات سے بے ربط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے[33]۔اور اس کے بعد اس مفروضہ کو ایک افتراء کے لئے بطور سہارا استعمال کرتا ہے، جس کا تذکرہ اس سے پہلے اس کے پیش رونالڈیکے اورWeil بھی کرچکے ہیں: چنانچہ وہ کہتا ہے:

"ہو سکتا ہے کہ یہ آیات محمد(1) کی وفات کے بعد تخلیق کی گئی ہوں اور دورِ ابو بکر میں انہیں قرآن میں شامل کر دیا گیا ہو، اس لئے کہ محمد(1) کا بیت المقدس کی طرف اسراء کا دعوی کرنا محال ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ یہ واضح کرتے رہے کہ وہ بشیر اور نذیر بن کر آئے ہیں، معجزات دکھانے نہیں آئے۔"[34]

یہاں اس مفروضہ کی تردید کی ضرورت نہیں، کیونکہ مفسرین نے اس آیت کی ماقبل اور مابعد آیات کے ساتھ مناسبت اور مضبوط ربط کو واضح کر دیا ہے۔اس کی تردید کے لئے یہ کافی ہے کہ قرآن کریم آیات کی شکل میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تھا۔نیز وہ حکیم و خبیر ذات کا

29- Arthur Jeffery: The Koran:Selected Suuras translated Heritage New york 1982 P 32

30- Henri Masse .L ' Islam p:78

31- Noldeke Theodor , Sketches from Eastern History ,P.50

32- Caude Gilliot: Coran: Isra,1 Dans la recherche occidentale in:le voyage initiapique en terre d,Islam(ourage collectif)peeters , Louvain – paris 1996 p: 9

33- Geschichte des Qorans 1:134

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کلام ہے، اپنے اسلوب میں وہ ہمارے وضعی طریقوں کا پابند نہیں ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے چند جملوں میں استشراقی مفروضات کی اس عمارت کو زمین بوس کر دیا ہے: لکھتے ہیں:

"قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات و روابط کے سارے الجھاؤ صرف اس لئے ہیں کہ فطرت سے بعد ہو گیا ہے اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو بھی ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں، جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں۔"[35]

نیز خود مستشرقین نے اپنے تحقیقی نتائج کے مبنی بر مفروضات اور غیر یقینی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ آخری عمر میں جب نولڈیکے (Theodore Noldeke) سے پوچھا گیا: کیا آپ کو اس پر شرمندگی نہیں کہ آپ نے اتنی طویل عمر انسانیت کے لئے مفید علوم جیسے میڈیکل اور کیمیا وغیرہ میں صرف کرنے کی بجائے مذہب، زبان و ادب اور فلسفہ میں کھپا دی؟ تو اس نے جواب دیا:

"اگر کوئی ندامت ہے، تو وہ یہ کہ میں اپنی تحقیقات سے کوئی یقینی نتائج اخذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"[36]

جمع قرآن کے بارے میں بعض مفروضات تو اس قدر مضحکہ خیز ہیں کہ مستشرقین کی دماغی حالت پر شک ہونے لگتا ہے، مثلاً بلاشیر (R.Blachere) کی ذہنی اپج ملاحظہ کیجئے، لکھتا ہے:

"رسول اللہ (1) اور صحابہ کا تدوین قرآن کو موخر کرنا ایک طبعی امر تھا۔ کیونکہ عربوں کے بارے میں مشہور ہے کہ انہیں مستقبل کے بجائے حاضر کی زیادہ فکر ہوتی ہے۔"[37]

اسی طرح بل کازانوفا (Casanova) جو اس قسم کے مفروضات اور ظن و تخمین کی بنیاد پر شکوک ابھارنے میں خصوصی مہارت رکھتا ہے، اس کی علمی اور عقلی پسماندگی کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔ یہ شخص ان تمام احادیث و آثار کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، جن میں نبی 1 نے مستقبل قریب اور بعید کی پیش گوئیاں کی ہیں، اس حدیث کہ آپ 1 نے شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کو ملاتے ہوئے فرمایا: **بعثت أنا والساعة كهاتين** 9 "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہیں۔" سے استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے:

"نبی (1) کو چونکہ یہ یقین تھا کہ دنیا آپ کی وفات کے بعد باقی نہیں رہے گی اور قیامت آپ کی موت سے پہلے یا فوراً بعد قائم ہو جائے گی، لہذا آپ نے نہ تو قرآن جمع کیا اور نہ ہی اپنا جانشین نامزد کیا۔"[38]

یہ حدیث اپنے مفہوم میں بالکل صریح ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حساب سے دنیا کی مدتِ عمر چند دن سے زیادہ نہیں، اس کا ایک دن پچاس ہزار سالوں کے برابر ہے۔ **فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ** [المعارج:۴] لہذا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قیامت انتہائی قریب ہے۔ اگر ذہن تعصب کے زہر سے مسموم نہ ہو اور عقل کا دیوالیہ نہ دے دیا گیا ہو تو کوئی انسان بھی اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی جراءت نہیں کرے گا جو اس مستشرق نے کیا ہے۔ قربِ قیامت کی نشانیوں کے تناظر میں آپ 1 کے متعدد فرامین اس دور از کار مفروضہ کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر موصوف کا اپنے اس طبع زاد مفروضہ کے بطن سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "قیامت کے ڈر سے آپ نے قرآن کو جمع نہیں کیا۔" تاریخ کے مسلمہ حقائق سے چشم پوشی کی انتہائی بدترین مثال ہے۔ دور

34۔ مقدمہ ترجمان القرآن. ص ۱۴، ابو الکلام احمد، مکتبہ سعیدیہ۔ کراچی

35۔ موسوعۃ المستشرقین. ص ۲۸، عبد الرحمن بدوی، دار العلم للملایین۔ بیروت ۱۹۸۹ء

36۔ Introduction Au coran,Paris1947.pp 16.26

37۔ Casanova:Mohomet et La fin du monde Paris1912-pp 6-10

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

رسالت 1 میں قرآن کی مکمل تدوین ایک ایسی حقیقت ہے جسے موریس بوکائے، ایسے انصاف پسند مغربی مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس پر متعدد شواہد موجود ہیں، لیکن مجھے سر دست یہ واضح کرنا ہے کہ اس قسم کے غیر معروضی اور عقلی منطق سے عاری منہج تحقیق کی بنیاد پر اس قسم کے انتہائی مضحکہ خیز نتائج ہی سامنے آئیں گے۔

6۔ منفی اور تخریبی منہج(Negative Methodology)

تحقیق کا یہ نرالا منہج بھی مستشرقین کی تحقیقات میں جابجا دکھائی دے گا۔ یہ لوگ ضعیف، منقطع، شاذ اور بے سروپا روایات کی بنیاد پر اپنے نقطہ نظر کے خلاف قرآنیات کے معتبر مصادر میں موجود صحیح سنن و آثار کو تسلیم کرنے سے برملا انکار یا انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں، جیسا کہ در منگھم نے بعض معروف مستشرقین کا نام لے کر ان کے اس رویہ پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ان کی کتابیں خاص طور منفی اور تخریبی رنگ کی حامل ہیں، لہذا جن نتائج تک مستشرقین پہنچے، وہ بھی سب سلبی اور ناقص ہیں۔[39]

مثال کے طور پر اسپرنگر (Seprenger) کا خیال ہے کہ نبی 1 کا نام قرآن کی صرف چار سورتوں؛ آل عمران، احزاب، محمد اور فتح میں آیا ہے۔ اور یہ چاروں مدنی سورتیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت سے قبل لفظ 'محمد' رسول کے لئے اسم علم کے طور پر استعمال نہیں ہوتا تھا۔[40]

یہ نظریہ پیش کر کے اس نے مکی دور کے ان تمام تاریخی حقائق اور صحیح روایات کا بڑی سہولت سے انکار کر دیا ہے جن میں لفظ محمد 1 استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح متعدد مستشرقین سیرت نبوی 1 کے لئے صرف قرآن کو مرجع قرار دیتے ہیں اور اس بنیاد پر انہوں نے سیرت نبوی 1 کے ان تمام واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جن کا ذکر قرآن میں نہیں ملتا۔ اسی طرح نولڈیکے (Theodore Noldeke)، گولڈ زیہر (Ignaz Goldziher)) اور بلاشیر (R.Blachere) نے اس مفروضہ کی بنیاد پر کہ قراءات قرآنیہ کے وجود کا سبب رسم مصحف اور کتابت ہے، ان تمام قطعی اور متواتر احادیث کا انکار کر دیا ہے، جن میں قراآتِ قرآنیہ کو منزل من اللہ قرار دیا گیا ہے اور جو اس حقیقت پر صریح ہیں کہ قراءاتِ قرآنیہ میں رائے اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن اس کے برعکس کتاب المصاحف اور دیگر کتبِ زبان و ادب جو ضعیف اور موضوع قراءات سے بھری ہوئی ہیں، ان کو مستشرقین بطور دلیل کے استعمال بھی کرتے ہیں، جس سے ان کے منہج کا منفی پن واضح ہوتا ہے۔

6۔ منہج کا تضاد(Contraditory Methodology)

بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ مستشرقین کسی تاریخی واقعہ کا شد و مد سے انکار کریں گے لیکن اگر اس میں سے کوئی چیز بظاہر اپنے مطلب کی نکل آئے تو پھر اسی سے استدلال کرتے ہوئے ذرا بھی شرم محسوس نہیں کریں گے۔ یہ منہج کا تضاد اور تحقیق کا دوہرا معیار ہے۔ مثال کے طور پر آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) نے صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت عمر 5 کے الفاظ: "مجھے خطرہ ہے، اگر حفاظ قرآن اسی طرح جنگوں میں شہید ہوتے رہے تو قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔" سے یہ استدلال کیا ہے: ولو كان القرآن قد جمع وكتب لما كانت هناك علة لخوفه[41]. لیکن حیرت ہے کہ اس نے اس حصے کے علاوہ باقی مکمل روایت کو ماننے سے انکار کیا ہے، جس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ابو بکر صدیق 5 نے سرکاری طور پر تدوین قرآن کا کام مکمل کروایا تھا۔[42] ڈاکٹر مصطفی سباعی نے

38۔ حیاۃ محمد (مقدمہ). ص۸۔۱۱ بحوالہ: علوم اسلامیہ اور مستشرقین ۹۷

39۔ علوم اسلامیہ اور مستشرقین ۸۰

40۔ مقدمہ کتاب المصاحف ص ۵

41۔ Arthur Jeffery: Materials for the history of the text of the Quran,Leiden 1937 P.6

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یورپ کے طویل سفر میں مستشرقین کی معیت میں متعدد یونیورسٹیوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے نزدیک قرآن وسنت کی تحقیق میں نصوص کو اپنے خود ساختہ نظریہ فکر اور من مانی خواہشات کے تابع کر دینا، بالقصد وبالارادہ نصوص میں تحریف کرنا، تحریف کی گنجائش نہ ہونے کی صورت میں عبارت کا غلط مطلب نکالنا۔ مآخذ ومصادر کے بارے میں اپنا ذاتی فیصلہ تھوپنا مستشرقین کا عام طرز ہے۔ چنانچہ وہ ادبی کتابوں کے حوالے نقل کر کے اسے حدیث کے مباحث میں چسپاں کر دیتے ہیں اور کتب تاریخ کے حوالے دے کر انہیں کے مطابق فقہی مسائل میں اپنا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ دمیری کی کتاب الحیوان کی روایات کو تو صحیح قرار دیتے ہیں مگر امام مالک کی الموطا کی روایات کی تردید کرتے ہیں۔

یہ وہ پر فریب اور سازشی مناہج ہیں جو مستشرقین نے قرآنیات کی تحقیق میں اختیار کئے ہیں۔ اگر آپ مستشرقین کے قرآن کے بارے میں نظریات کو ان مناہج کے تناظر میں رکھ کر ان کا تجزیہ کریں گے تو حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ ان ہتھکنڈوں کا مقصد، بقول برطانوی مستشرق منٹگمری واٹ (W.Montgomery Watt) یورپین کے لئے اسلام کی حقیقی صورت کو مسخ کر کے پیش کرنا اس لئے ضروری تھا تاکہ انہیں فکری احساسِ پسماندگی کا متبادل فراہم کیا جاسکے۔